حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

انسانیّت کی رہنمائی میں اسلام کا تاریخی کردار

عالم اسلام کے لئے یہ بات قابل شکر و مسرت ہے۔ کہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامی تعلیمات کا ایک مرکز باقاعدہ قائم ہوگیا ہے۔ اس مرکز کے بورڈ آف ٹرسٹیز کے صدر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ ہیں۔ اور ہندوستان ہی کے ایک نوجوان اسکالر ڈاکٹر فرحان نظامی نے اس کا نقشۂ عمل تیار کیا اور اس کے قیام کے لئے جدوجہد کی۔ اور بڑی کاوشوں اور دشوار گذار منزلوں کو طے کرکے کامیابی کی منزل میں داخل ہوگئے۔ اس بات کی اہمیت وہ حضرات جانتے ہیں جن کے علم میں یہ حقیقت ہے۔ کہ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں یہودیوں نے تو ہر جگہ اپنا مرکز کسی نہ کسی نام سے قائم کر رکھا ہے۔ کہیں اس کا نام "سامی زبانوں کا مرکز" ہے اور کہیں مڈل ایسٹ سینٹر ہے۔ اور انہی مراکز سے مشرقی اور عرب ممالک کے طلبہ اسلامیات اور عربی زبان و ادب میں ڈگریاں حاصل کرتے رہے۔ عرب ممالک کے یونیورسٹیوں کے بہتیرے وائس چانسلر، ڈین آف فیکلٹی اور پروفیسر انہی مراکز کے فارغ التحصیل ہیں۔ جو یورپ اور امریکہ میں یہودیوں نے قائم کئے ہیں۔ لندن یونیورسٹی کا اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسڈیز بہت مشہور ہے۔ اس میں ایک شعبہ عربی زبان کا بھی ہے عربی زبان کے ضمن میں اسلامی تعلیمات کو بھی شمار کیا ہے۔ چنانچہ میرے علم میں متعدد اصحاب علم و دانش وہ ہیں جنہوں نے اس شعبہ کے ماتحت امام غزالی۔ امام ابن تیمیہ پر ریسرچ کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی پر بھی ہمارے ملک کے بعض اصحاب علم نے ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ کیمبرج اور آکسفورڈ میں بھی مذہب کے تقابلی مطالعہ کے شعبہ اور عربی فارسی ڈیپارٹمنٹ سے حدیث و قرآن پر لوگ ریسرچ کر چکے ہیں۔

اڈنبرہ کے پروفیسر مانٹ گمری واٹ مشہور مصنف اور سیرت نبوی کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے ان طلبہ کے لئے جو قرآن کریم پر ریسرچ کرنا چاہیں ایک اسکالر شپ بھی منظور کر لیا تھا۔ بشرطیکہ ان کے ریسرچ کی اس مفروضہ پر ہو کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے۔ لیکن کسی یونیورسٹی میں ایسا اسکول یا انسٹی ٹیوٹ نہیں تھا جہاں مسلم اسکالرس کی زیر نگرانی اسلامی تعلیمات پر ریسرچ کرایا جائے۔ بہ خصوصیت آکسفورڈ یونیورسٹی کے اس نومولود سنٹر کو حاصل ہوتی ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ اس مرکز کی اہمیت کو عصر حاضر کے ممتاز علماء

اور بین الاقوامی سطح کی مشہور شخصیات نے سمجھا اور ابھی اگست کے آخر میں اس کے بورڈ کا دوسرا جلسہ انتظامی ہوا جس میں یہ سب شریک تھے۔ رابطہ عالم اسلامی کے سیکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ نصیف جو جدہ کی ملک عبدالعزیز یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہ چکے ہیں۔ جامعہ محمد بن سعود ریاض کے صدر ڈاکٹر عبد اللہ عبدالمحسن الترکی، ام درمان یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر کامل الباقر، ہندوستان کے مشہور مورخ ڈاکٹر خلیق نظامی ندوۃ العلماء کے "کلیۃ الادب" کے صدر مولانا سید محمد رابع الحسنی ان کے علاوہ اس کے جلسوں میں آکسفورڈ کے مختلف کالجوں کے مستشرقین نے بھی شرکت کی۔ اس لحاظ سے یہ سنٹر عالم اسلام کا ایک مشترک سرمایہ ہے۔

اس بورڈ کے صدر مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی مدظلہ چونکہ عالم اسلام سے قریبی واقفیت رکھتے ہیں "رابطۃ الجامعات الاسلامیہ" (یونین آف اسلامک یونیورسٹیز) کے بھی رکن ہیں۔ اور ان کے علم میں یہ بات ہے کہ یورپ و امریکہ کی ڈگریاں حاصل کرنے والے آج بھی بہتیرے عرب ممالک میں وزارت یا بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ لہذا اگر ان کی ذہنی و علمی تربیت مسلمان اہل دانش کی سرپرستی میں ہوگی تو ان ممالک میں اسلامی اقدار کی حفاظت کا سامان ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا نے بستر علالت سے اٹھتے ہی اس طویل اکتا دینے والے سفر کی زحمت برداشت کی۔

اس سفر میں مولانا نے سینٹ کراس کالج میں اسی مرکز کے تحت ایک محاضرہ بھی دیا جو کویت کے ایک صاحب علم اور مخیر تاجر جناب عبداللہ العلی المطوع سے منسوب لیکچروں کے سلسلہ کی پہلی کڑی اور افتتاحی محاضرہ تھا یہ تفصیلی نوٹ اور اس کا اردو ترجمہ معاصر رسالہ "فکر و نظر" میں شائع ہوا ہم رسالہ مذکور کے شکریہ کے ساتھ محاضرہ ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں۔ (بہ شکریہ تعمیر حیات)

نبوت محمدی کا اعجاز اور انقلابی کارنامہ

حضرات! اگر کوئی واحد ہستی ایسی ہے جس کے متعلق وثوق سے کہا جا سکے کہ اس نے حقیقتاً تاریخ کا رخ موڑ دیا ہے جس نے انسان کو جہالت کے بجائے علم، فرسودہ روایات کے بجائے تعقل اور آباؤ اجداد کے نقش قدم کی کورانہ پیروی کے بجائے عقل و بصیرت اور تفکر و تدبر سے کام لینے کا عادی بنایا ہے تو وہ ذات گرامی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے آپ تاریخ کے اس دوراہے پر کھڑے نظر آتے ہیں جہاں سے عقل و استدلال اور توہم پرستی کے راستے جدا ہوتے ہیں۔ آپ کی تعلیمات نے انسان کو عقل کی روشنی عطا کی۔ اور اس کی مبصرانہ صلاحیتوں کو جلا بخشی۔

اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی پہلی وحی میں خالق کائنات نے نوع بشری کو علم عطا کرنے کے احسان کا ذکر کیا ہے۔ اور اس قلم کو اس کو وسیلہ قرار دیا جس سے علم کا تاریخی سفر وابستہ ہے اور جس سے

تصنیف و تعلیم کی عالم گیر تحریک جاری ہوئی۔ اور علم ایک فرد سے دوسرے فرد، ایک قوم سے دوسری قوم، ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ اور ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتا رہا۔ دنیا میں علم کی اشاعت اور انسانی ضرورت کے مطابق اس کی عمومیت کا فخر اسی کو حاصل ہے اور اس کی گردش و جنبش سے مدارس و جامعات اور علمی اداروں اور کتب خانوں کی دنیا آباد ہے۔

جہاں تک بشری قرائن و نفسیات کا تعلق ہے۔ اس بات کا کوئی تاریخی و عقلی قرینہ نہ تھا کہ پہلی وحی کے ذیل میں "قلم" کا ذکر بھی آسکتا ہے۔ کیونکہ یہ وحی ایک امی انسان ایک ان پڑھ قوم کے درمیان اور ایک پسماندہ علاقہ میں نازل ہو رہی تھی۔ جہاں پارۂ چوب جس کا نام "قلم" ہے۔ سب سے زیادہ نادر و نایاب شے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی لئے عربوں کا لقب ہی "امیین" پڑ گیا تھا۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلوا علیهم ایاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة ق وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ۔ (الجمعہ)

وہی تو ہے جس نے امی لوگوں میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔ جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔ درآں حالیکہ یہ لوگ پہلے سے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

ایک غیر متوقع آغاز | غار حرا میں نبی امی پر پہلی وحی اترتی ہے۔ (جب کہ چھ سو سال کے طویل وقفے کے بعد زمین کا آسمان سے بلکہ صحیح تر الفاظ میں آسمان کا زمین سے وحی و نبوت کے ذریعہ رابطہ قائم ہوا تھا) تو اس میں عبادت کا حکم اور اللہ کی معرفت اور اطاعت وغیرہ کوئی ایجابی یا بتوں کے ترک کرنے یا جاہلیت اور اس کے عادات و اطوار پر نکیر جیسی کوئی سلبی بات نہیں کہی گئی۔ اگرچہ یہ سب باتیں اپنی جگہ پر اہم تھیں۔ اور اپنے اپنے موقعہ پر ان کی وضاحت و تبلیغ کی گئی۔ بلکہ کلمہ "اقرأ" سے اس وحی کا آغاز ہوا۔

اقرأ باسم ربك الذی خلق ۔ خلق الانسان من علق ۔ اقرأ وربك الاکرم ۔ الذی علم بالقلم ۔ علم الانسان مالم یعلم ۔ (العلق)

آپ پڑھئے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا کیا ہے۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے۔ آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی۔ جس نے انسان کو ان چیزوں سے تعلیم دی جنہیں وہ نہیں جانتے تھے۔

اس طرح یہ تاریخی واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ جس نے مورخین و مفکرین کے غور و فکر کے لئے نئے اور وسیع آفاق مہیا کئے۔ اور یہ اس حقیقت کا بلیغ اور واضح اشارہ تھا۔ کہ اس نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ انسانیت اور مذاہب کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہوگا۔ جو وسیع و عمیق معنوں میں قرأت (خواندگی) اور پڑھنے لکھنے کا وسیع و ترقی یافتہ دور اور علم کی حکمرانی کا عہد زریں ہوگا۔ اور علم و دین دونوں مل کر نئی انسانیت کی تکوین و تشکیل کریں گے۔

قرآن علم کے مختلف ذرائع کے | انفس و آفاق اور اقوام و ملل کے ماضی پر غور و فکر کی دعوت اور اس کے فائدے

تذکرہ کے ساتھ ان اشیاء کی جانب توجہ دلاتا ہے جن کا مطالعہ حصول علم کے لئے کیا جانا چاہیئے اس سلسلہ میں اس نے انفس وآفاق اور گذشتہ اقوام کے احوال جنہیں قرآن نے "ایام اللہ" اور "سنۃ اللہ" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور آج جسے تاریخ کہتے ہیں) کی جانب توجہ دلائی ہے۔ تاکہ انسان ان پر غور وخوض کر کے مفید نتائج برآمد کر سکے۔ اور بڑے قیمتی اور دور رس، پر از امکان اور انسانی مستقبل پر گہرائی سے اثر انداز ہونے والے نتائج تک پہنچ سکے۔

علامہ اقبال عقل انسانی اور علم کے وسائل ومصادر کی اسلام کے ذریعہ وسعت ونتیجہ خیزی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے مشہور خطبات[5] میں لکھتے ہیں

"لیکن مشاہدات باطن صرف ایک ذریعہ ہیں علم انسانی کا۔ قرآن پاک کے نزدیک اس کے دو سرچشمے اور ہیں۔ ایک عالم فطرت۔ دوسرا عالم تاریخ۔ جن سے استفادہ کرنے میں عالم اسلام کی بہترین روح کا اظہار ہوا ہے۔ قرآن پاک کے نزدیک یہ شمس وقمر، یہ سایوں کا امتداد، یہ اختلاف ولیل ونہار، یہ رنگ وزبان کا فرق اور یہ توموں کی زندگی میں کامیابی اور ناکامی کے دنوں کی آمد وشد۔ حاصل کلام یہ کہ یہ سارا عالم فطرت جیسا کہ بذریعہ حواس ہمیں اس کا ادراک ہوتا ہے۔ حقیقت مطلقہ کی آیات ہیں اور اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان میں غور و تفکر سے کام لے۔ یہ نہیں کہ بہروں اور اندھوں کی طرح ان سے اعراض کرے۔ کیونکہ جو کوئی اس زندگی میں اندھوں کی طرح ان آیات سے اپنی آنکھیں بند رکھتا ہے وہ آگے چل کر بھی اندھا ہی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ محسوس اور ٹھوس حقائق پر بار بار توجہ کی اس دعوت کے ساتھ ساتھ جس کی قرآن مجید نے تعلیم دی، جب مسلمان رفتہ رفتہ اس حقیقت کو پا گئے کہ کائنات میں روانی اور حرکت ہے وہ متناہی ہے اور اضافہ پذیر۔ تو انجام کار یونانی فلسفہ کی مخالفت پر جس کا اپنی حیات ذہنی کی ابتدا میں انہوں نے بڑے ذوق وشوق سے مطالعہ کیا تھا، اتر آئے شروع شروع میں تو انہیں اس امر کا احساس نہیں ہوا کہ قرآن مجید کی روح فلسفۂ یونانی کے منافی ہے۔ اور اس لئے حکمت یونان پر اعتقاد کرتے ہوئے انہوں نے قرآن پاک کا مطالعہ بھی فکر یونانی ہی کی روشنی میں کیا۔ لیکن قرآن مجید کا زور چونکہ محسوس اور ٹھوس حقائق پر ہے اور حکمت یونان کا حقائق کے بجائے نظریات پر۔ لہذا ظاہر ہے کہ یہ کوششیں ایک نہ ایک دن ضرور ناکام رہتیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ اسی کوشش کی ناکامی تھی۔ جس کے بعد اسلامی تہذیب وثقافت کی حقیقی روح برسر کار آئی حتیٰ کہ تہذیب جدید کے بعض اہم پہلوؤں کو دیکھئے تو ان کا ظہور بھی اسی کا مرہون منت ہے"[6]

---

[5] Reconstruction of Religious thought in Islam.

[6] تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ص ۱۹۶، ۱۹۷۔ لاہور ۱۹۵۸ء

وہ مزید لکھتے ہیں :-

"قرآن پاک نے تاریخ کو "ایام اللہ" سے تعبیر کیا اور اسے علم کا ایک سرچشمہ ٹھہرایا ہے۔ اس کی ایک اور بنیادی تعلیم یہ ہے کہ اقوام اور امم کا محاسبہ انفرادی واجتماعی دونوں لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ انہیں اپنی بداعمالی کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جس کے ثبوت میں اس نے بار بار تاریخ سے استناد کیا۔"

علاوہ ازیں قارئین کو توجہ دلائی کہ نوع انسانی کے گذشتہ اور موجودہ احوال وشئون کے مطالعہ میں غور وفکر سے کام لیں۔

ولقد ارسلنا موسیٰ بایاتنا ان اخرج قومک من الظلمات الی النور وذکرھم بایام اللہ ان فی ذٰلک لایات لکل صبار شکور (ابراھیم)

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ۔ اور ان کو خدا کے دن یاد دلاؤ۔ اس میں ان لوگوں کے لئے جو صابر وشاکر ہیں۔ (قدرت خدا کی) نشانیاں ہیں۔

وممن خلقنا امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون۔ والذین کذبوا بایاتنا سنستدرجھم من حیث لا یعلمون۔ (الاعراف ۱۸۱-۱۸۲)

اور ہماری مخلوق میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو معلوم ہی نہ ہوگا"

قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین (آل عمران)

تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سے واقعات گذر چکے ہیں۔ اور تم زمین میں سیر کر کے دیکھ لو۔ کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

وتلک الایام نداولھا بین الناس (آل عمران)

اور یہ دن ہیں کہ ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔

ولکل امۃ اجل فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون ٥ (الاعراف)

اور ہر فرقہ کے لئے موت کا ایک وقت مقرر ہے جب وہ آجاتا ہے تو نہ تو ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی۔

علمی منتشر اکائیوں میں وحدت وربط، علم کے صحیح مقصد کی طرف رہنمائی اور اسے مثبت تعمیری ومفید اور ذریعہ یقین بنانے کے سلسلہ میں بعثت محمدی اور دعوت اسلامی کے رول کی اس سے زیادہ اہمیت اور قدر وقیمت ہے۔ جو اس نے علمی تحریک کی فعالیت ووسعت کے سلسلہ میں ادا کیا ہے۔

علم کی کڑیاں بکھری ہوئی بلکہ بسا اوقات متضاد تھیں۔ علم طبیعات و حکمت دین سے برسر پیکار تھے حتیٰ کہ ریاضی و طب جیسے معصوم علم کے ماہرین بھی بعض اوقات سلبی والحادی نتیجے نکالتے تھے۔ چنانچہ یونان کے علماء جنہوں نے صدیوں تک فلسفہ و ریاضیات میں اپنا امتیاز قائم رکھا تھا۔ یا تو مشرک تھے یا ملحد تھے۔ اور یونان کے علوم اور مدارس فکر دین کے لئے خطرہ اور ملحدین کے لئے سند اور نمونہ بنے ہوئے تھے۔ اس صورت حال میں یہ اسلام کا بڑا احسان تھا کہ اس نے ایسی وحدت قائم کی جو تمام علمی اکائیوں کو مربوط کر دیتی تھی اور اس کے لئے ایسا کرنا اس لئے آسان ہوا کہ اس کا علمی سفر صحیح نقطۂ آغاز سے آغاز ہوا تھا۔ اس لئے اسے اللہ پر ایمان، اس سے مدد طلبی اور اس پر اعتماد کے ذریعہ اور اقرأ باسم ربک الذی خلق کی تعمیل میں شروع کیا تھا۔ اور آغاز کی صحت اکثر اوقات انجام کی صحت و خیریت کی ضمانت ہو جاتی ہے۔ اسلام نے قرآن و ایمان کے فیض و فضل سے ایسی وحدت کا انکشاف کیا جو تمام وحدتوں کو مربوط کر دیتی ہے اور وہ وحدت اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت ہے جس کے بارہ میں اللہ نے اپنے مومن بندوں کی تعریف کی ہے۔

و یتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔ سبحانک فقنا عذاب النار۔ (آل عمران ۱۹)

اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار تو نے یہ (سب) لایعنی نہیں پیدا کیا ہے۔ تو پاک ہے سو محفوظ رکھ ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔

زمانہ ماسبق میں کائناتی وحدتیں (یعنی اس کے مظاہر اور حوادث و تغیرات) انسان کو متضاد نظر آتے اور اسے حیرت و اضطراب میں ڈالتے تھے۔ اور کبھی کفر والحاد اور خالق عالم اور مدبر کائنات کے اوپر طعن و اعتراض تک پہنچا دیتے تھے۔ اسے دیکھتے ہوئے ایمان و قرآن پر مبنی "اسلامی علم" نے دنیا کو ایسی وحدت عطا کی جو کائناتی وحدتوں کو جمع کرتی ہے اور وہ اللہ کا غالب ارادہ اور اس کی حکمت کاملہ ہے۔

ایک بڑے جرمن عالم ہیرالڈ ہوفڈنگ اس وحدت کی دریافت اور انسانی زندگی اور علم و اخلاق کے تاریخی سفر میں اس کے مؤثر کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ہر مذہب کا ایمان توحید پر ہے جس کا نظریہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر شئے کی علت وجود ایک ہی ہے (اس فکر سے لازمی طور پر پیش آنے والی مشکلات سے قطع نظر) ایمان و اعتقاد فطرت انسانی پر بڑا مفید اور اہم اثر مرتب کرتا ہے۔ اور اس کے ماننے والوں کے لئے یہ عقیدہ رکھنا آسان ہو جاتا ہے کہ (بعض اختلافات و تفصیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے) عالم کی تمام چیزیں ایک وحدت میں منسلک ہیں۔ کیونکہ علت کی وحدت، قانون کی وحدت کا بھی تقاضا کرتی ہے۔

ازمنۂ وسطیٰ کے دینی فلسفہ نے کثرت میں وحدت کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا دیا۔ جس سے

غیر مہذب انسان طبعی مظاہر کی کثرت کے سبب اس سے غافل تھا اور اس کثرت کے مشاہدہ میں اس لئے غلطاں و پیچاں رہتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں ان میں ربط ذاتی پیدا کرنے کا کوئی سر رشتہ نہ تھا۔"

مغرب کی بیداری اور علم و تہذیب کے نئے دور کے آغاز میں اسلام کا حصہ

رابرٹ بریفالٹ اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔ یورپ کی ترقی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس پر اسلامی تمدن کا احسان اور اس کے نمایاں آثار کی گہری چھاپ نہ ہو

وہ آگے چل کر لکھتا ہے :-

"صرف طبعی علوم ہی (جن میں عربوں کا احسان مسلم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتداء اسی وقت سے ہو جاتی ہے جب اسلامی تہذیب و تمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوئیں۔"

اکثر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ فکر یونان کے احیاء کا نتیجہ تھی۔ مشہور مورخ ایس جی ویلس نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہ موجودہ دنیا کو قوت اور علم کی روشنی یونان سے ہی ملی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"جس علم کی ابتدار کرنے کے بعد اسے یونانیوں نے خیرباد کہہ دیا تھا اسے ایک نئے زاویہ اور نئے جوش و خروش کے ساتھ عربی ذہن نے نظم و ترتیب کے ساتھ اپنا موضوع بنالیا۔ اگر یونانی حقیقت کے سائنسی طریقہ انکشاف کے باپ تھے تو عرب اس کے مربی تھے۔ جنہوں نے انتہائی صاف گوئی آسان اور سہل تشریحات باقاعدہ اور جچے تلے الفاظ اور جامع تنقید سے اسے سنوارا تھا۔ یہ صرف عرب تھے نہ کہ لاطینی جن سے جدید دنیا کو علم اور قوت کا تحفہ حاصل ہوا ہے۔"

قدیم دنیا میں مسلمانوں کا علمی تفوق، اور مفید اور تجربی علوم میں ان کی قیادت

میں اپنے مطالعہ کی روشنی میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ مسلمانوں نے صرف عظیم الشان اور وسیع سلطنتوں کی بنیاد نہیں ڈالی بلکہ ایک زمانہ میں وہ دنیا کی تمام اقوام پر علم و فضل میں بھی فائق تھے۔ مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جو حصول علم کے شوق، اس کی بے لوث خدمت اور مختلف علوم میں بیش بہا تصنیفات کے لئے ممتاز رہے ہیں۔ قرن اول کے ائمہ، محدثین اور فقہا و مجتہدین سے قطع نظر (جن کی مثال دنیا کی کسی قوم میں نہیں ملتی) مسلمانوں نے دینی اور دنیاوی علوم میں ایسے مفکرین اور مصنفین پیدا کئے جن کا مقابلہ دوسری قوموں کے بڑے سے بڑے عالم سے کیا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں نے اپنے تحصیل علم کا دائرہ صرف مذہبی علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ انہوں نے جغرافیہ، طبیعیات، نباتات، ہندسہ، طب، کیمیا، فلسفہ، تاریخ و مذاہب و تمدن جیسے علوم کی خدمت بھی کی۔ ان کے اکثر علماء نے صدیوں تک علوم و فنون میں دنیا کی رہنمائی کی ہے۔ اور کبھی نہ مٹنے

والے نقوش چھوڑے ہیں۔

یہاں صرف چند علماء کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کیونکہ کسی طویل تعارف کے لئے کئی جلدیں درکار ہوں گی۔

مسلمان موجدین فن اور ماہرین علوم | الخوارزمی (م ۸۵۰/ ۲۳۶) نے سب سے پہلے عالمی جغرافیہ پر کتاب لکھی اور پھر محمد بن محمد الادریسی (م ۱۱۵۴/ ۵۶۰) نے "الممالک والمسالک" میں عالم اسلام کے تجارتی راستوں کو نقشہ جات کے ساتھ وضاحت سے بیان کیا۔ ابن الہیثم (م ۱۰۳۹/ ۴۳۱) نے تقریباً دوسو کتابیں تصنیف کیں جن میں ۴۷ علم ہندسہ اور ۵۸ انجینئرنگ کے موضوع پر تھیں۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے اسوان ڈیم کی تجویز پیش کی۔ اور علم بصارت میں مفید انکشافات کئے۔ اس نے اپنی کتاب المناظر میں بصری ادراک کے سلسلہ میں یہ نظریہ پیش کیا کہ کسی شئے کی بصارت اس سے ٹکرا کر واپس آنے والی شعاعوں پر منحصر ہے

محمد بن موسیٰ الخوارزمی (م ۸۵۰/ ۲۳۶) نے علم ہندسہ میں ایک سے نو تک اعداد کے بعد صفر کا اضافہ کیا۔ اور سب سے پہلے اعداد کی حیثیت کا تعین کیا۔ الخوارزمی نے ہی الجبر (الجبرا) ایجاد کیا۔

البتانی (م ۹۲۹/ ۳۱۷) جسے مغرب البیٹگنی اور البا طینوس کے نام سے یاد کرتا ہے۔ عظیم عرب ماہر فلکیات تھا جس نے گہن کی کجی کا بالکل صحیح اندازہ لگایا۔ شمسی سال کی مدت، موسموں کی تبدیلی اور سورج کے اوسط مدار کا پتہ چلایا۔ اور بطلیموس کے اس نظریہ کی تردید کی کہ سورج کا مدار غیر متحرک ہے۔

ابوبکر محمد الرازی (م ۹۳۲/ ۳۱۱) جسے مغرب نے ریزز کا نام دے رکھا ہے۔ عہد وسطیٰ کا سب سے بڑا طبیب ہونے کے ساتھ عظیم فلسفی اور ماہر کیمیا بھی تھا۔ اس نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف الحاوی میں یونانی، مصری، قدیم عرب اور ہندوستانی طب کا جائزہ پیش کیا۔

ابن البیطار (م ۱۲۴۸/ ۶۴۶) اپنے زمانہ میں عظیم ترین ماہر ادویات تھا۔ اس نے اپنی دو مشہور تصانیف "المغنی فی الادویہ" اور "الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ" میں مختلف بیماریوں کے علامات بیان کئے ہیں۔ اور حروف تہجی کے اعتبار سے تقریباً چودہ سو حیوانات، نباتات اور معدنیات کا تفصیلی تذکرہ خود اپنے یا دوسرے ۱۵۰ ماہرین کے مشاہدات کی بنا پر پیش کیا ہے۔

بوعلی سینا (م ۱۰۳۷/ ۴۲۸) جسے مغربی دنیا آوی سینا کے نام سے جانتی ہے نے فلسفہ کے موضوع پر القانون فی الطب اور نفسیات کے موضوع پر احوال النفس تصنیف کی۔ اب تک اس کی ۲۳۱ تصنیفات کا انکشاف ہو چکا ہے اور ۱۱۱ دوسری کتابوں کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسی کی لکھی ہوئی ہیں۔ طب میں اس کی مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے اس کی کتاب منظر عام پر آنے کے بعد تقریباً پانچ سو برسوں تک یعنی سترھویں صدی کے اختتام تک اپنے موضوع پر سب سے مستند کتاب سمجھی جاتی تھی۔ علم کے ان درخشندہ ستاروں میں ابن خلدون (م ۱۴۰۶/ ۸۰۸) بھی شامل ہے۔ جو دنیا کا سب سے پہلا ماہر سماجیات ہے اور جس نے انسانی سماج کو رخ دینے والے قوانین تلاش کرنے کی توجہ دلائی اور مغرب کے

فلسفی کا مٹی سے ۵۰ سال پہلے سماجی علوم کی جانب توجہ مبذول کرائی۔ دنیائے علم وفن ابوریحان البیرونی (م ۱۰۵۱/۴۴۳ھ) کی سعی بھی مشکور ہے۔ جیسے طبعیات ما بعد الطبیعات، علم الادویہ، کیمیا، جغرافیہ اور تاریخ پر یکساں مہارت حاصل تھی اس نے اور دوسرے مسلمان سائنس دان مثلاً ابن الہیثم نے موجودہ سائنسی تحقیقات کی بنیاد ڈالی تھی۔

علم کی تاریخ کا سب سے بڑا مغالطہ اور تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا المیہ

اس مقالہ کے اختتام سے پہلے میں آپ کی توجہ اس بنیادی حقیقت کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ یہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ کہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ انسان اپنی ذات سے علم کا نہ تو مرجع ہے اور نہ مصدر۔ وہ صرف اللہ کی مرضی کو پورا کرنے والا نائب یا نمائندہ ہے۔ قرآن مجید نے حضرت آدم ؑ کو تعلیم اسماء (جو علم کی بنیاد ہے) کا ذکر ان کے زمین میں خلافت الٰہی کے منصب پر سرفراز ہونے کے تذکرہ کے بعد اور اسی سیاق وسباق میں کیا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے علم کا استعمال خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے کرنے پر مامور تھے علم کی تاریخ بلکہ تاریخ عالم کا یہ بہت بڑا المیہ تھا۔ جو انسان نے فراموش کر دیا۔ کہ وہ خالق کائنات کا نائب اور خلیفہ ہے۔ اسے اس دنیا کی امانت سپرد کی گئی تھی۔ مالک اور آقا بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا۔ کہ وہ زمین کے اوپر اور اس کے اندر پائے جانے والے خزانوں کو اپنے ذاتی، قومی، نسلی اور طبقاتی مفاد کے لئے یا برتری سیاسی حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے۔ انسانیت کی تاریخ اور علم کے لئے وہ منحوس ترین دن تھا۔ جب اس نے تباہی کے اس راستہ کا انتخاب کیا۔ صرف یہ احساس کہ انسان اس دنیا کا مالک ہونے کے بجائے خدا کا خلیفہ اور نائب ہے۔ اسے صراط مستقیم پہ قائم رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ اس حقیقت کا عرفان ہی اسے من مانی کارروائی کرنے میں مانع ہو سکتا ہے۔

علم کا اس کے مالک سے رشتہ منقطع ہونا واقعۃً بہت بڑا فتنہ ہے انسان نے علم تو حاصل کر لیا لیکن اس کے ذہن نے علم کے خالق کو فراموش کر دیا۔ آج دنیا تباہی کے دہانہ پر کھڑی ہے۔ یورپ اور امریکہ کے سیاستدانوں اور عالموں اور ان تمام لوگوں سے معذرت کے ساتھ جو مغرب کی تہذیب پر نازاں ہیں۔ میں یہ عرض کروں گا کہ انسان کا اپنے آپ کو خود مختار اور اس دنیا کا حقیقی مالک سمجھ لینا ایک بہت بڑی غلطی تھی۔ انسان جب اپنی ابتدا کو بھول گیا تو اسے اپنی حیات کا مقصد اور انتہا بھی فراموش ہو گئے۔ میں پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ انسان اس وقت تک اس دنیا کے حالات کو سدھارنے میں ناکام رہے گا جب تک وہ یہ تسلیم نہ کرے گا کہ وہ صرف ایک مخلوق ہے جسے اپنے خالق کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی بھی کرنی ہے۔ اسے یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ اسے جتنا بھی علم حاصل ہوا ہے وہ اس کے ایک سرے پر کھڑا ہے اور دوسرے پر علم کا خالق۔ اس کا آقا اور مالک موجود ہے۔ اگر یہ رشتہ منقطع ہو گیا تو انسان اپنی تخلیق کا مقصد بھی فراموش کر دے گا۔ اور ہماری دنیا ایک میدانِ جنگ اور انسانیت کے ایک ایسے مذبح میں تبدیل ہو جائے گی جہاں غلامی کی بے شمار اقسام بے انصافیوں اور انسانیت کی تذلیل کا دور دورہ ہو گا۔